مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

الغرض شخصی نام زندگی کے سیاسی اصول کو مان کر مختلف بزرگوں کو مختلف زمانوں میں لوگ حکمرانی کے لئے جو اٹھاتے رہے۔ اور جو امیدیں باندھنے والوں نے ان کی ذلت کے ساتھ خواہ مخواہ باندھ رکھی تھیں جب وہ پوری نہ ہوئیں" تو حیات جاوید" یا امر ہونے کا نظریہ انھوں نے پیدا کر لیا، اسی شخصی نام زندگی ہی کی پیداواروں میں سے غالباً ایک خیال وہ بھی ہے جس کا ذکر ابن حزم نے تفصیل سے کیا ہے یعنی بارہ اماموں کے نظریہ والوں کے نزدیک ایک شخص سے دوسرے شخص تک حکومت کا استحقاق منتقل ہوتے ہوتے جب حضرت حسن عسکری گیارھویں امام تک نوبت پہنچی، تو جیسا کہ ابن حزم اور دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ بظاہر آپ کے بعد کوئی اولاد آپ کی دنیا میں باقی نہ تھی لیکن آپ کے ماننے والوں میں سے

"بعضوں نے تو مشہور کیا کہ ایک بیٹا آپ کا پیدا ہوا، جسے دشمنوں کے خوف سے آپ نے چھپا دیا۔ اور بعض مدعی ہوئے کہ آپ کی شرعی کنیز حاملہ تھی اور وفات کے بعد وہ لڑکا جنی"

ابن حزم نے لکھا ہے کہ

"اس لونڈی کے نام میں ہی لوگوں کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اس کا نام نرجس (نرگس) تھا اور کسی کا دعویٰ ہے کہ سوسن نام تھا عام خیال ہے کہ صیقل اس کا نام تھا۔

ابن حزم ہی کا بیان ہے کہ

اسی صیقل نامی کنیز نے آپ کی وفات کے بعد استقرار حمل کے دعوے کا اعلان کیا اور مقدمہ حکومت میں سات سال تک میراث کا چلتا رہا امام حسن عسکری کے بھائی حسن کا نام جعفر بن علی تھا، وہ اس

کنیز کے دعوی کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ حکومت کے لوگوں میں کچھ لوگ جعفر کے ہم نوا اور ہمدرد تھے اور کچھ لوگ صیقل کی سرپرستی کر رہے تھے لیکن آخر میں فیصلہ جعفر ہی کے دعوی کے مطابق ہوا ابن حزم نے اس سلسلہ میں بعض دلچسپ باتوں کا ذکر کیا ہے [۱]

بہر حال شخصی نامزدگی کے نظریہ والوں میں جیسا کہ آپ سن چکے تقریباً ہر اس شخص کے متعلق جن کے نامزد ہونے کا دعوی کیا گیا، ان کی وفات کے بعد بھی لوگ ان کو زندہ ہی تصور کرتے رہے لیکن اوروں کے متعلق تو بہ تدریج یہ خیال کچھ مضمحل ہی ہوتے ہوتے تقریباً کچھ فراموش ہی سا ہو گیا، صرف ان ہی بارہویں "امام المہدی المنتظر" کے متعلق امامیہ فرقہ اب تک خروج کے انتظار میں ہے، ہزار سال سے زیادہ مدت

---

[۱] بیان کیا ہے کہ حسن عسکری کے ان صاحبزادے کے متعلق بعضوں کا خیال تھا کہ والد کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے بعض کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے بہت زمانے کے بعد ولادت ہوئی اور اسی خاندان کی ایک خاتون جن کا نام حکیمہ تھا اور محمد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم کی جو بیٹی تھیں ان ہی کا بیان تھا کہ یہ بچہ میرے سامنے پیدا ہوا، قابلہ کا کام میں نے ہی انجام دیا تھا۔ بیان کرتی تھیں کہ ماں کے پیٹ سے نکل کر بچہ جوں ہی میرے ہاتھ میں آیا تو دیکھا کہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے ص ۱۳۸ ج ۴ دوسری جگہ اسی کتاب میں ابن حزم نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن عسکری کی شرعی کنیز جس کا نام نرگس یا صیقل یا سوسن بتایا جاتا ہے بلبیٔ سال تک امام حسن عسکری کی وفات کے بعد عباسی حکومت کے ایک منشی حسن بن جعفر نوبختی نومسلم کے مکان میں یہی عورت رہی عباسی خلیفہ معتضد سے لوگوں نے شکایت کی کہ یہ بڑے شرم کی بات ہے آخر بیس سال کے بعد معتضد کے حکم سے یہی عورت قصر خلافت میں بلالی گئی اور وفات تک اسی شاہی قصر میں رہی وفات اس کی مقتدر باللہ کے زمانہ میں ہوئی ابن حزم نے لکھا ہے سنہ ۲۶۰ھ میں امام حسن عسکری کی وفات ہوئی اس وقت سے ان کے صاحبزادے کو بارہواں امام ماننے والے آج تک ان کے خروج کے منتظر ہیں۔ ان ہی کو "المہدی المنتظر" کہتے ہیں گویا ایک ہزار سال سے زیادہ مدت انتظار ہی میں گذر رہی ہے خود اپنا خیال ابن حزم کا یہ ہے کہ لم یعقب الحسن المذکور ذکراً ولا انثیٰ ص ۱۳۸ ج ۴ یعنی امام حسن عسکری نے اپنے بعد نہ کوئی لڑکا چھوڑا اور نہ لڑکی اور ان کے بعد شرعی کنیز کے بچہ کا قصہ یوں ہی گھڑ لیا گیا ہے حکومت کا فیصلہ بھی ہوا اسی لئے وراثت حسن عسکری کے چچا جعفر بن علی

گذر چکی ہے لیکن انتظار کی یہ گھڑیاں ختم نہیں ہورہی ہیں ان لوگوں کی طرف سے عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں میں عام طور پر خضرا ؑ والیاس نامی بزرگوں کو مانا جاتا ہے کہ ہزارہا ہزار سال سے زندہ ہیں تو ان ہی کے ساتھ ایک اور ہستی کا اضافہ اگر ہوگیا تو لوگوں کو اعتراض کرنے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے ابن حزم نے ان کے اس عذر پر بحث کی ہے، جس کے لئے اصل کتاب کو پڑھنا چاہئے۔

باقی جو شخصی نام زندگی کے اصول کے قائل نہ تھے اور حکومت کے لئے حکمران کے انتخاب کا حق ان کے نزدیک عام مسلمانوں کا حق ہے ان میں بھی اس سوال پر کہ کیا یہ حق ہر ہر مسلمان کا ہے یعنی جب تک زندہ مسلمانوں میں سے ہر ایک کی رائے کا علم نہ حاصل ہو اس وقت تک انتخاب جائز نہیں ہوسکتا، یا مسلمانوں کے کسی خاص طبقہ کے انتخاب سے انتخاب صحیح ہوجاتا ہے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے ہر ہر مسلمان کا آئینی حق اس کو قرار دیا ہے لیکن اسی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہر ہر مسلمان تو بڑی بات ہے تمام دنیا کے مسلمانوں کے ارباب علم وفضل کی رائے کا دریافت کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ

ملتان اور منصورہ یعنی (سندھ) سے مہرہ حضرموت اور عدن تک کے اہل علم وفضل سے شروع کرکے مغربی اقصیٰ کے دور دست علاقوں جن میں طنجہ اشبونہ تمام سمندری جزیروں اور شام وارمینیہ جبال فتح اور اسبجاب (یعنی ترکستان) فرغانہ اشروسنہ الزمن خراسان کے آخری حدود جوزجان سے لے کر کابل تک درمیان میں جتنے شہر، جتنے قصبے اور دیہات ہیں، کیا ان سب کے متعلق رائے دریافت کرنے کی اس مہم میں کامیابی ہوسکتی ہے۔ ص ۱۲۹ ج ۴

پانچویں صدی ہجری میں اسلامی علاقہ کا جغرافیہ یہی تھا۔

بہرحال اسی لئے بعض لوگوں نے دارالحکومت کے ارباب حل وعقد تک انتخاب کے اس حق کو محدود رکھا ہے اس کے سوا بھی بہت سے نظریے پیش کئے گئے لیکن جب تک سیاسی اقتدار کے مالک مسلمانوں میں عرب رہے عربی قبائل ہی تک حکمرانی کے مسئلہ کو انھوں نے محدود رکھا اور اکثریت کا رجحان یہی رہا کہ جب تک ممکن ہو، قریش کے عربی قبیلہ ہی سے امام کا انتخاب کرنا چاہئے، علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ علاوہ ان آثار و احادیث کے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قریش ہی کو ترجیح

دینے کا حکم دیا گیا تھا، یوں بھی یہ سوچنے کی بات ہے کہ

نسب اور خاندانی شرافت کے متعلق عموماً دیکھا جاتا ہے کہ دلوں میں خاص قسم کی غیر معمولی عظمت پائی جاتی ہے اور مختلف خیالات اور پراگندہ افکار کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لئے عام طور پر نسبی شرافت موثر ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔"

علامہ نے آگے بیان کیا ہے کہ

قوموں کی تاریخ ہی بتاتی ہے کہ حکومت اور سیاسی اقتدار عموماً کسی خاص خانوادے میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے اسی لئے ایک خاندان سے منتقل ہو کر حکومت کسی دوسرے خاندان والوں کے ہاتھوں میں جب چلی جاتی ہے تو تاریخ کا ایک اسے غیر معمولی حادثہ اور واقعہ قرار دیا جاتا ہے۔

اپنے تمہیدی بیان کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ

نظر بوجوہ بالا قریش کو دیکھا جائے تو مسلمانوں میں ہمیشہ عزت و وقار کے مالک وہی لوگ رہے ہیں رسالت بھی اسی قبیلہ پر ختم ہوئی اور قیامت تک باقی رہنے والا دین دنیا والوں کو قریش ہی کے ذریعہ ملا۔

اور یوں قریش ہی کو حکمرانی کا جائز حقدار شرعاً و عقلاً لوگ سمجھتے رہے لیکن جوں جوں عربوں کی سیاسی قوت اضمحلال کی شکار ہوتی چلی گئی اور غیر عربی نسلوں کے ہاتھوں میں اقتدار منتقل ہونے لگا تو ان کی طرف سے یہ کوشش ہونے لگی کہ قریش کی اس ٹھیکیداری کو ختم کیا جائے اس حد تک تو مان بھی لیا گیا تھا جیسا کہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ

" قریشی حکمراں اگر دیکھا جارہا ہو کہ وہ فاسق و جبار ہے اور مجتہد ہونا تو درکنار دینی مسائل سے بھی جاہل اور ناواقف ہے تو ایسی صورت میں

فلا کلام فی جواز تقلد القضاء و تنفیذ الاحکام و اقامۃ الحدود و جمیع ما یتعلق بالامام من کل ذی شوکۃ

ص۲۷۲ شرح مقاصد

بغیر کسی خلاف کے یہ مان لیا گیا ہے کہ جو بھی صاحب شوکت و اقتدار ہو وہ مسلمانوں کا قاضی بھی مقرر کر سکتا ہے اور احکام کو نافذ کر سکتا ہے اور حدود کو قائم کر سکتا ہے الغرض وہ سارے اختیارات

استعمال کر سکتا ہے جو امام کے اختیارات سمجھے جاتے ہیں

علامہ نے اسی کے ساتھ اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ ساری باتیں اس وقت ہیں جب معاملہ کلیۃً مسلمانوں کی مرضی اور اقتدار کا تابع ہو، لیکن

عند العجز والاضطرار واستیلاء	لیکن مجبوری اور ضعف کے زمانہ میں جب ارباب ظلم
الظلمۃ والکفار والفجار وتسلط الجبابرۃ	اور کفار فجار اور زور زبردستی کرنے والے برسر اقتدار
الاشرار فقد صارت الریاسۃ	آجائیں تو اس وقت دنیوی حکومت تغلبیہ حکومت
الدنیویۃ تغلبیۃ وبنیت علیہا الاحکام	بن جاتی ہے یعنی جو غالب آجائے اور دینی احکام
الدینیۃ المنوطۃ بالامام ضرورۃ	جن کے نفاذ کے لئے امام کی ضرورت ہے وقت کے
شرح مقاصد ص ۲۷۲	حاکم کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے۔

بہر حال عرب کے سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد مجبوراً مسلمانوں کو قریش کے متعلق اپنے سیاسی نظریہ میں ترمیم کرنی پڑی غیر عربی مسلمانوں کی طرف سے جب مطالبہ اقتدار کا پیش ہوا تو اس سلسلہ میں جہاں بہت سے دلائل شرعی وعقلی پیش ہوتے تھے، ان میں سب سے زیادہ وہ سیاسی نظریہ تھا، جس کی طرف شاید ہی اس وقت تک کسی کا ذہن منتقل ہوا ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ قریش اپنی وجاہت اپنی تاریخی عظمت اپنی شوکت وقوت کو اپنے استحقاق کے جواز کے سلسلے میں پیش کرتے تھے تو اس کے مقابلہ میں بعضوں نے یہ عجیب سیاسی نکتہ پیش کیا کہ جن لوگوں کو کسی وجہ سے قوت واقتدار حکومت کے بغیر حاصل ہے، مثلاً کسی وجہ سے عام لوگوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں یا تعداد کی کثرت کی وجہ سے وہ ملک میں قوی عنصر ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان ہی کے ہاتھ میں حکومت کے اقتدار کو بھی سپرد کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ملک کے کمزور عناصر، اور بے پناہ باشندوں کے ساتھ ان کے جی میں جو کچھ آئے گا کریں گے اور حکومت جس کا اساسی مقصد ہی یہ ہے کہ ظلم وجور اور بے آئینی کا ازالہ کرے، برعکس اس کے حکومت جور وظلم کے بڑھانے میں مددگار بن جائے گی اسی مقدمہ کو بنیاد بنا کر ان لوگوں کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ عربوں کے مقابلہ میں غیر عربی مسلمان ہی اس کا زیادہ

مستحق ہے کہ حکومت کی قوت اس کے ہاتھ میں سپرد کردی جائے تاکہ وہ کمزوروں اور ضعیفوں کی پشت پناہی کر سکے مسلمانوں کے ایک فرقہ ضراریہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے سیاسی نظریہ کا ذکر ان الفاظ میں شہرستانی نے جو کیا ہے کہ

ان الامامۃ تصلح فی غیر قریش حتی اذا اجتمع قرشی ونبطی قدمنا النبطی اذ ھو اقل عددا واضعف وسیلۃ ملل شہرستانی	حکومت کا استحقاق غیر قریشیوں کو بھی ہے تا آنکہ اگر ایک قریشی اور ایک نبطی غیر عربی مسلمان، حکومت کے امیدوار بن کر کھڑے ہوں تو ہم نبطی (غیر عربی) ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ غیر عربی اقلیت میں ہیں اور ذرائع بھی ان کے کمزور ہیں۔

اسی سیاسی نظریئے والے یہ بھی کہتے تھے کہ غلط کاری کی صورت میں اقلیت والوں سے چنے ہوئے اس حکمراں قوت کے ہٹانے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی۔ اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت ہی کے سپرد حکومت کا اقتدار کیا جائے اس کی ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے۔ شہرستانی نے ان کا یہ قول یعنی فیمکننا خلعہ (بس ہمارے لئے اس اقلیت والے حکمراں کو ہٹانا ممکن ہوگا) جو نقل کیا ہے بظاہر اس کا یہی مطلب ہے میں نہیں جانتا کہ "حکومت" کے سلسلہ میں اقلیت کی ترجیح کا نظریہ سیاست کی دنیا میں کبھی پیش ہوا ہو لیکن جو دلائل اور وجوہ ان کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں، وہ مستحق توجہ معلوم ہوتے ہیں اور واقعی اگر اکثریت کے ساتھ حکومت کے فرائض میں "اقلیت" کی حفاظت بھی ہے، تو یقیناً یہ سوچنے کی بات ہے اکثریت تو اپنی تعداد کی اکثریت کی وجہ سے بذات خود طاقت ور ہوتی ہے لیکن غریب "اقلیت" کیا کرے آخر اس کی حفاظت کی کوئی صورت تو "انسانی ضمیر" کو نکالنی چاہیئے۔

جمہوریت کے اس عہد میں بھی غریب "اقلیت" کے مصائب اور پریشانیوں کا کوئی حل نہیں نکل سکا یہ ہے کہ جمہوریت کے زمانہ میں "اقلیت" غریب کی مظلومیت اپنے آخری حدود کو پہنچ ...مت کے اس گذرے ہوئے دور کو جس کا غلط نام شخصی حکومت رکھ دیا گیا ہے، حالانکہ ... ں واحد نے دنیا پر حکومت ہی نہیں کی ہے، ہمیشہ بادشاہوں نے دانش مند وزیروں اور دوسرے

اعوان و انصار ہی کی مدد سے حکومت کی ہے، بہرحال نام کچھ بھی رکھ دیا جائے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ بادشاہتوں کے عہد میں بھی "اقلیت" کے حقوق اتنی لاپروائیوں کے ساتھ کبھی نہیں کچلے گئے، جتنی بے دردی کے ساتھ آج جمہوری حکومتوں میں ان کو ٹھکرایا جا رہا ہے اکثریت والے پہلے ہی سے طاقت و قوت والے ہوتے ہیں اور حکومت کی باگ بھی جب ان کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا نظارہ موجودہ عہد کی جمہوری حکومتوں میں ہر جگہ کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ مسلمانوں کی جمہوری حکومت ہو یا غیر مسلم اقوام کی، اس باب میں سب کا حال برابر ہے اور جمہوری حکومت کی بنیاد جس اصول پر قائم ہے اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے

خیر میں کس قصہ میں الجھ گیا عرض یہ کر رہا تھا کہ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ جو سنایا جاتا ہے اگرچہ یہ افسانہ افسانہ ہو چکا ہے لیکن سنانے والے اس کو کچھ اس طرح سنا رہے ہیں کہ ابھی یہ فرقے باقی ہیں

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اختلافات کی ابتدا سیاسی قصوں سے ہوئی، بھلا بتایا جائے عرب مسلمان جو سیاست کے میدان ہی سے تقریباً نکل چکے ہیں ان میں مذکورہ بالا سیاسی نظریات کے اختلافات کے ذکر کرنے والوں کے رہ جانے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے دنیا کی سیاست کے موثر عنصر جب تک مسلمان تھے واقعہ تو یہ ہے کہ اسی زمانہ میں رفتہ رفتہ یہ سارے سیاسی فرقے ختم ہو چکے تھے لے دے کر اہل السنت والجماعت یا سنیوں کے مقابلہ میں امامیوں یا شیعوں کا ایک فرقہ رہ گیا جو پرانے جھگڑوں کے ذکر کو سال کے خاص مہینوں میں یاد کر کے پھر بھول جاتا ہے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر مسلمانوں میں سیاسی فرقے اسی "شیعہ طبقہ" ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ شہرستانی تک نے لکھا ہے کہ

قال بعضهم ان نيفا وسبعين فرقة من فرق المذكورة في الخبر هو في الشيعة خاصة	بعضوں کا قول ہے کہ ستر سے کچھ اوپر فرقے جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے خاص کر کے شیعوں ہی میں پائے جاتے ہیں
صہ ۳۳	

اور آج بھی مسلمانوں میں سلیمانیوں، داؤدیوں، آغاخانیوں دروزیوں وغیرہ نام کے فرقوں کا ذکر سننے میں کبھی کبھی آ جاتا ہے تو کون نہیں جانتا کہ یہ کل کے کل شیعہ طبقہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ ان میں ہر ایک اپنی قلت تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں کی اکثریت کے مقابلہ میں قابل توجہ نہیں رہا ہے۔

بس واقعہ تو یہی ہے کہ تھے تو یہ سارے اختلافات سیاسی ہی اختلافات اور کچھ مختلف نظریات رکھنے والی سیاسی پارٹیاں ہی تھیں لیکن زمانہ اور ماحول کے خاص حالات نے ان اختلافات میں مذہب کا رنگ اس لئے بھر دیا کہ ہر ایک اپنے نظریہ کی تائید میں عقلی و تجربی دلائل کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ شرعی شہادتوں کے پیش کرنے کا بھی اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق عادی تھا۔

لہ سیاسی نظریات کے ان اختلافات میں ایک اختلاف اس میں بھی تھا کہ حکومت کی کج رویوں اور غلط کاریوں پر تنقید کا حق عوام کو حاصل ہے یا نہیں ابن حزم نے لکھا ہے کہ "المہدی المنتظر" بارہویں امام کے خروج کے انتظار کرنے والوں نے تو طے کر دیا تھا کہ جب تک امام کا ظہور و خروج نہ ہو کسی قسم کی حکومت ہو اور جا ہے جو کچھ بھی کر رہی ہو خاموشی سے کام لینا چاہیے اور نظریہ تقیہ کی پناہ میں جب جیسی تب تیسی کے مطابق زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز پر عمل پیرا رہنا چاہیے بعض لوگ صرف دل سے نفرت یا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیکھ کر زبان اور قلم تک تنقید کے حق کو جائز قرار دیتے تھے لکھا ہے کہ عام محدثین کا خیال یہی تھا لیکن عام علمائے اسلام تلوار تک اٹھا لینے کے قائل تھے جب معاملہ حد سے گذر رہا ہو تفصیلات کے لئے مسلمانوں کے سیاسی خیالات پر بحث کرنے والی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے ۱۲۔

ندوۃ المصنفین کی جدید شاندار کتاب

"عرب اور اسلام"

"عرب اور اسلام" پروفیسر فلپ کے حتّی کی شہرۂ آفاق انگریزی کتاب HISTORY of THE ARABS کے خلاصے A SHORT HISTORY THE ARABS کا نہایت کامیاب اور شاندار ترجمہ ہے۔

اس جامع خلاصے میں پروفیسر حتّی نے خاص طور پر ایسے اجزا شامل کئے ہیں جن کے ذریعہ مذہب کو اسلام کے پیغام اور اس کی خدمات سے اور انسانیت پر اس کے احسانات سے روشناس کرایا جا سکتا تھا۔ مذکور نے فی الحقیقت تاریخ نویسی اور حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کے مترجم پروفیسر رین صاحب رفعت ایم اے ہیں جو اس وقت نوجوان پروفیسروں میں صف اول کے مترجم سمجھے جاتے ہیں صفحات ۲۵۰ قیمت ہے مجلد للعہ